

تعمیر

ایران

(۱۲)

ابْرَاهِيمَ

نام آیت ۳۵ کے فقرے **وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا** سے ماخوذ ہے۔ اس نام کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سورہ میں حضرت ابراہیم کی سوانح عمری بیان ہوئی ہے، بلکہ یہ بھی اکثر سورتوں کے ناموں کی طرح علامت کے طور پر ہے۔ یعنی وہ سورہ جس میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔

زمانہ نزول | عام انداز بیان مکہ کے آخری دور کی سورتوں کا سا ہے۔ سورہ رعد سے قریب زمانہ ہی کی نازل شدہ معلوم ہوتی ہے خصوصاً آیت ۱۳ کے الفاظ **وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ سُلْطِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَنَعُوْدَنَّ فِيْ وِلٰيَّتِنَاۤ اِنْ كَارَ كَرْنِ وَّالُوْنَ نَسَاۤ بِرَسُوْلُوْنَ** سے کہہ کر یا تو تمہیں ہماری ولایت میں واپس آنا ہو گا ورنہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے، کا صاف اشارہ اس طرف ہے کہ اُس وقت مکہ میں مسلمانوں پر ظلم و ستم اتنا کہ پہنچ چکا تھا اور اہل مکہ پھیلے کافر قوموں کی طرح اپنے ہاں کے اہل ایمان کو خارج البلد کر دینے پر تیل گئے تھے۔ اسی بنا پر ان کو وہ دھمکی سنائی گئی جو ان کے سے روپیہ پر چلنے والی پھیلے قوموں کو دی گئی تھی کہ **لَتَهْلِكُنَّ الظّٰلِمِيْنَ اِيْمًا مَّا لَكُمْ لَمَّا كَرِهْتُمْ** اور اہل ایمان کو وہی تسلی دی گئی جو ان کے پیش رووں کو دی جاتی رہی ہے کہ **لَتَسْكُنَنَّ اَرْضَكُمْ اٰمِنًا وَّكٰرِهًا** (ہم ان ظالموں کو ختم کرنے کے بعد تم ہی کو اس سرزمین میں آباد کریں گے)۔

اسی طرح آخری رکوع کے نیچے بھی یہی بتاتے ہیں کہ یہ سورہ مکہ کے آخری دور سے تعلق رکھتی ہے۔

مرکزی مضمون اور مدعا | جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے سے انکار کر رہے تھے اور آپ کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے ہر طرح کی بدتر سے بدتر چالیں چل رہے تھے ان کو فہمائش اور تنبیہ۔ لیکن فہمائش کی بہ نسبت اس سورہ میں تنبیہ اور ملامت اور زبرد تو پہنچ کا انداز زیادہ تیز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تفسیر کا حق اس سے پہلے کی سورتوں میں غمخواراں کیا جا چکا تھا اور اس کے باوجود کفار قریش کی ہٹ دھرمی، عناد، مزاحمت، شرارت اور ظلم و جور میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔



آيَاتُهَا ۵۲ سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
الرَّفِیْقِ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ۗ بِاِذْنِ سَرِيْمٍ اِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۱
اللّٰهُ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۗ

آل۔ ر۔ اے محمدؐ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، ان کے رب کی توفیق سے، اُس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے اور زمین اور آسمانوں کی ساری موجودات کا مالک ہے۔

۱۔ یعنی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا مطلب شیطان راستوں سے ہٹا کر خدا کے راستے پر لانا ہے دوسرے الفاظ میں ہر وہ شخص جو خدا کی راہ پر نہیں ہے وہ دراصل جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے، خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال سمجھ رہا ہو اور اپنے زعم میں کتنا ہی نور علم سے منور ہو۔ سخاات اس کے جس نے خدا کا راستہ پایا وہ علم کی روشنی میں آگیا، چاہے وہ ایک اُن پرچہ دیکھتی ہی کیوں نہ ہو۔

پھر جو فرقہ مایا کہ تم ان کو اپنے رب کے اذن یا اُس کی توفیق سے خدا کے راستے پر لاؤ، تو اس میں دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی مبلغ خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، راہ راست پیش کر دینے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا، کسی کو اس راستے پر لے آنا اُس کے بس میں نہیں ہے۔ اس کا انحصار سراسر اللہ کی توفیق اور اُس کے اذن پر ہے۔ اللہ کسی کو توفیق دے تو وہ ہدایت پاسکتا ہے، ورنہ پیغمبر جیسا کامل مبلغ اپنا پورا زور لگا کر بھی اس کو ہدایت نہیں بخش سکتا۔ رہی اللہ کی توفیق، تو اس کا قانون بالکل الگ ہے جسے قرآن میں مختلف مقامات پر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے ہدایت کی توفیق اُسی کو ملتی ہے جو خود ہدایت کا طالب ہو، خدا اور ہٹ دھرمی اور تعصب سے پاک ہو، اپنے نفس کا بندہ اور اپنی خواہشات کا غلام نہ ہو، کھلی آنکھوں سے دیکھے، کھلے کانوں سے سُنے، صاف دماغ سے سوچے سمجھے، اور معقول بات کو بے لاگ طریقہ سے مانے۔

۲۔ ”حمید“ کا لفظ اگرچہ محمود ہی کا ہم معنی ہے، مگر دونوں لفظوں میں ایک لطیف فرق ہے۔ محمود کسی شخص کو اُسی وقت کہیں گے جبکہ اس کی تعریف کی گئی ہو یا کی جاتی ہو، مگر حمید آپ سے حمد کا مستحق ہے، خواہ کوئی اس کی حمد کرے یا

وَوَيْلٌ لِلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝۲ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ
الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۝ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝۳ وَمَا أَرْسَلْنَا
مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ
مَنْ يَشَاءُ ۝

اور سخت تباہ کن سزا ہے قبولِ حق سے انکار کرنے والوں کے لیے جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روک رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ راستہ (ان کی خواہشات کے مطابق) ٹیڑھا ہو جائے۔ یہ لوگ گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں۔

ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے، اُس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے تاکہ وہ انھیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔ پھر اللہ جسے چاہتا ہے بھٹکا دیتا

ذکر ہے۔ اس لفظ کا پورا مفہوم ستودہ صفات، سزاوارِ حمد اور مستحقِ تعریف جیسے الفاظ سے ادائیں ہو سکتا، اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ "اپنی ذات میں آپ محمود کیا ہے۔"

۳ یا بالفاظ دیگر جنہیں ساری فکر میں دنیا کی ہے، آخرت کی پروا نہیں ہے۔ جو دنیا کے فائدوں اور لذتوں اور آسائشوں کی خاطر آخرت کا نقصان تو مول لے سکتے ہیں، مگر آخرت کی کامیابیوں اور خوشحالیوں کے لیے دنیا کا کوئی نقصان، کوئی تکلیف اور کوئی خطرہ، بلکہ کسی لذت سے محرومی تک برداشت نہیں کر سکتے۔ جنہوں نے دنیا اور آخرت دونوں کا موازنہ کر کے ٹھنڈے دل سے دنیا کو پسند کر لیا ہے اور آخرت کے بارے میں فیصلہ کر چکے ہیں کہ جہاں جہاں اُس کا مفاد دنیا کے مفاد سے ٹکرائے گا وہاں اُسے قربان کرتے چلے جائیں گے۔

۴ یعنی وہ اللہ کی مرضی کے تابع ہو کر نہیں رہنا چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا دین اُن کی مرضی کا تابع ہو کر رہے۔ اُن کے ہر خیال، ہر نظریے اور ہر وہم و گمان کو اپنے عقائد میں داخل کرے اور کسی ایسے عقیدے کو اپنے نظام فکر میں نہ رہنے دے جو اُن کی کھوپڑی میں نہ سماتا ہو۔ اُن کی ہر رسم، ہر عادت اور ہر نصیحت کو مستند جواز دے اور کسی ایسے طریقے کی پیروی کا اُن سے مطالبہ نہ کرے جو انہیں پسند نہ ہو۔ وہ ان کا ہاتھ بندھا غلام ہو کہ بدھ صمد صریہ اپنے شیطانِ نفس کے اتباع میں مڑیں اُدھر وہ بھی مڑ جائے، اور کہیں نہ تو وہ انہیں ٹوکے اور نہ کسی مقام پر انہیں اپنے راستے کی طرف موڑنے کی کوشش کرے۔ وہ اللہ کی بات صرف اُسی صورت میں مان سکتے ہیں جبکہ وہ اس طرح کا دین

مَنْ تَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ تَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۷۰﴾
 وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَى بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ
 الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَ ذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ

ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے، وہ بالادست اور حکیم ہے۔

ہم اس سے پہلے موسیٰ کو بھی اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیج چکے ہیں۔ اسے بھی ہم نے حکم دیا تھا کہ اپنی قوم
 کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لا اور انہیں تارخ الہی کے سبق آموز واقعات سنا کر نصیحت کر۔ ان واقعات میں

ان کے لیے بھیجے۔

۵۵ اس کے دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو نبی جن قوم میں بھیجا اُس پر اُسی قوم کی زبان میں اپنا کلام نازل
 کیا تاکہ وہ قوم اسے اچھی طرح سمجھے، اور اسے یہ عذر پیش کرنے کا موقع نہ مل سکے کہ آپ کی بھیجی ہوئی تعلیم تو ہماری کچھ ہی ہیں
 نہ آتی تھی پھر ہم اس پر ایمان کیسے لاتے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض مجزہ دکھانے کی خاطر کبھی یہ نہیں کیا کہ رسول تو
 بھیجے عرب میں اور وہ کلام سنائے چینی یا جاپانی زبان میں اس طرح کہ کوشے دکھانے اور لوگوں کی عجائب پسندی
 کو آسودہ کرنے کی بہ نسبت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں تعلیم و تلقین اور تغیم و تمییز کی اہمیت زیادہ رہی ہے جس کے لیے ضروری تھا کہ
 ایک قوم کو اسی زبان میں پیغام پہنچایا جائے جسے وہ سمجھتی ہو۔

۵۶ یعنی باوجود اس کے کہ پیغمبر ساری تبلیغ و تلقین اُسی زبان میں کرتا ہے جسے ساری قوم سمجھتی ہے، پھر بھی سب کو
 ہدایت نصیب نہیں ہو جاتی۔ کیونکہ کسی کلام کے محض عام فہم ہونے سے یہ لازم نہیں آجاتا کہ سب سننے والے اسے مان جائیں ہدایت
 اور ضلالت کا سرسشتہ بہر حال اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ وہی جسے چاہتا ہے اپنے اس کلام کے ذریعہ سے ہدایت عطا کرتا ہے
 اور جس کے لیے چاہتا ہے اسی کلام کو الٹی گراہی کا سبب بنا دیتا ہے۔

۵۷ یعنی لوگوں کا بطور خود ہدایت پالینا یا بھٹک جانا تو اس بنا پر ممکن نہیں ہے کہ وہ کاغذ خود مختار نہیں ہیں، بلکہ
 اللہ کی بالادستی سے مغلوب ہیں۔ لیکن اللہ اپنی اس بالادستی کو اندھا دھند استعمال نہیں کرتا کہ کوئی غیر کسی معقول وجہ کے
 جسے چاہے ہدایت بخش دے اور جسے چاہے خواہ مخواہ بھٹکا دے۔ وہ بالادست ہونے کے ساتھ حکیم و داناست بھی ہے۔ اُس
 کے ہاں سے جس کو ہدایت ملتی ہے معقول وجہ سے ملتی ہے۔ اور جس کو راہ راست سے محروم کر کے بھٹکنے کے لیے پھوڑ
 دیا جاتا ہے وہ خود اپنی ضلالت پسندی کی وجہ سے اس سلوک کا مستحق ہوتا ہے۔

۵۸ آیام کا لفظ عربی زبان میں اصطلاحاً یادگار تاریخی واقعات کے لیے بولا جاتا ہے۔ آیام اللہ سے

لَايَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۝ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ
 اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ اجْتَمَعْتُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ
 يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُدَّبِحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ
 نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَإِذْ
 تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ

بڑی نشانیاں ہیں ہر اس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔

یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا "اللہ کے اُس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ اس نے تم کو فرعون والوں سے چھڑایا جو تم کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، تمہارے لڑکوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ بچا رکھتے تھے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی اور یاد رکھو، تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر شکر گزار بنو گے تو میں تم کو اور زیادہ نوازوں گا اور اگر کفرانِ نعمت

مراذ تاریخ انسانی کے وہ اہم ابواب ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ زمانہ کی قوموں اور بڑی بڑی شخصیتوں کو ان کے اعمال کے لحاظ سے جزا یا سزا دی ہے۔

۹ یعنی ان تاریخی واقعات میں ایسی نشانیاں موجود ہیں جن سے ایک آدمی تو حیدر خلدندی کے برحق ہونے کا ثبوت بھی پاسکتا ہے اور اس حقیقت کی بھی بے شمار شہادتیں فراہم کر سکتا ہے کہ مکافات کا قانون ایک عالمگیر قانون ہے، اور وہ سراسر حق اور باطل کے علمی و اخلاقی امتیاز پر قائم ہے، اور اُس کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ایک دوسرا عالم، یعنی عالم آخرت ناگزیر ہے۔ نیز ان واقعات میں وہ نشانیاں بھی موجود ہیں جن سے ایک آدمی باطل عقائد و نظریات پر زندگی کی عمارت اٹھانے کے بڑے نتائج معلوم کر سکتا ہے اور ان سے عبرت حاصل کر سکتا ہے۔

۱۰ یعنی یہ نشانیاں تو اپنی جگہ موجود ہیں مگر ان سے فائدہ اٹھانا صرف اُنہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ کی آزمائشوں سے صبر اور پامردی کے ساتھ گزرنے والے، اور اللہ کی نعمتوں کو ٹھیک ٹھیک محسوس کر کے ان کا صحیح شکر یہ ادا کرنے والے ہوں۔ پھر پورے اور کم ظرف اور احسان ناشناس لوگ اگر ان نشانیوں کا ادراک کر بھی لیں تو ان کی یہ اخلاقی کمزوریاں اُنہیں ان ادراک سے فائدہ اٹھانے نہیں دیتیں۔

إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرًا أَنْتُمْ وَمَنْ

کر دو گئے تو میری سزا بہت سخت ہے۔ اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم کفر کرو اور زمین کے سارے رہنے والے

اللہ یعنی اگر ہماری نعمتوں کا حق پہچان کر ان کا صحیح استعمال کرو گے اور ہمارے احکام کے مقابلہ میں سرکشی و استکبار نہ برنور گے اور ہمارا احسان مان کر ہمارے مطیع فرمان بنے رہو گے۔

۱۲ اس مضمون کی تقریر بائبل کی کتاب استثناء میں بڑی شرح و بسط کے ساتھ نقل کی گئی ہے۔ اس تقریر میں حضرت موسیٰ اپنی وفات سے چند روز پہلے بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کے سارے اہم واقعات یاد دلاتے ہیں۔ پھر توراہ کے ان تمام احکام کو دہراتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ سے بنی اسرائیل کو بھیجے تھے۔ پھر ایک طویل خطبہ دیتے ہیں جس میں بتاتے ہیں کہ اگر انہوں نے اپنے رب کی فرمانبرداری کی تو کیسے کیسے انعامات سے نوازے جائیں گے اور اگر نافرمانی کی روش اختیار کی تو اس کی کیسی سخت سزا دی جائے گی۔ یہ خطبہ کتاب استثناء کے ابواب نمبر ۶-۸-۱۰-۱۱ اور ۲۸ تا ۳۰ میں پھیلا ہوا ہے اور اس کے بعض بعض منغفات کمال درجہ موثر و عبرت انگیز ہیں۔ مثال کے طور پر اس کے چند فقرے ہم یہاں نقل کرتے ہیں جن سے پورے خطبے کا اندازہ ہو سکتا ہے:

”مَنْ اَسْرَائِيلَ! خُداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا کے ساتھ محبت رکھ۔ اور یہ باتیں جن کا حکم آج میں تجھے دیتا ہوں تیرے دل پر نقش رہیں۔ اور تو ان کو اپنی اولاد کے ذہن نشین کرنا اور گھر بیٹھے اور راہ چلتے اور لیٹتے اور اٹھتے ان کا ذکر کرنا۔ (باب ۶-آیات ۴-۷)“

دوسرے اسرائیل! خداوند تیرا خدا تجھ سے اس کے سوا اور کیا چاہتا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کا خوف مانے اور اس کی سب راہوں پر چلے اور اس سے محبت رکھے اور اپنے سارے دل اور ساری جان سے خداوند اپنے خدا کی بندگی کرے اور خداوند کے جو احکام اور آئین میں تجھ کو آج بتاتا ہوں ان پر عمل کرے تاکہ تیری خیر ہو۔ دیکھ آسمان اور زمین اور جو کچھ زمین میں ہے یہ سب خداوند تیرے خدا ہی کا ہے۔ (باب ۱۰-آیات ۱۲-۱۴)“

اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات کو جان نشانی سے مان کر اس کے ان سب حکموں پر جو آج کے دن میں تجھے دیتا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو خداوند تیرا خدا دنیا کی سب قوموں سے زیادہ تجھ کو سرفراز کرے گا۔ اور اگر تو خداوند اپنے خدا کی بات سے تو یہ سب برکتیں تجھ پر نازل ہوں گی اور تجھ کو میں گی۔ شہر میں بھی تو مبارک ہو گا اور کھیت میں مبارک..... خداوند تیرے دشمنوں کو جو تجھ پر حملہ کریں تیرے رو برو شکست دلائے گا..... خداوند تیرے انبار خانوں میں اور سب

فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۱۵﴾

بھی کافر ہو جائیں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔“

کاموں میں جن میں تو ہاتھ ڈالے برکت کا حکم دے گا..... تجھ کو اپنی پاک قوم بنا کر رکھے گا اور دنیا کی سب قومیں یہ دیکھ کر کہ تو خداوند کے نام سے کلاتا ہے تجھ سے ڈر جائیں گی۔ تو بہت سی قوموں کو قرض دے گا پر خود قرض نہیں لے گا اور خداوند تجھ کو روم نہیں بلکہ سرٹھیرائے گا اور تو پشت نہیں بلکہ سرفراز ہی رہے گا (باب ۲۸- آیات ۱-۱۳)

”لیکن اگر تو ایسا نہ کرے کہ خداوند اپنے خدا کی بات سن کر اس کے سب احکام اور آئین پر جو آج کے دن میں تجھ کو دنیا ہوں احتیاط سے عمل کرے تو یہ سب لعنتیں تجھ پر ہوں گی اور تجھ کو لگیں گی۔ شر میں بھی تو لعنتی ہو گا اور کھیت میں بھی لعنتی..... خداوند ان سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے لعنت اور پھٹکارا اور اضطراب کو تجھ پر نازل کرے گا..... دبا تجھ سے لپٹی رہے گی..... آسمان جو تیرے سر پر ہے پتیل کا اور زمین جو تیرے نیچے ہے لوہے کی ہو جائے گی..... خداوند تجھ کو تیرے دشمنوں کے آگے شکست دلائے گا۔ تو ان کے مقابلہ کے لیے تو ایک ہی راستہ سے جائے گا مگر ان کے سامنے سات سات راستوں سے بھاگے گا..... عورت سے منگنی تو تو کرے گا لیکن دوسرا اس سے مباشرت کرے گا۔ تو گھر بنائے گا لیکن اس میں بسنے نہ پائے گا۔ تو تانکستان لگائے گا پر اس کا پھل نہ کھا سکے گا۔ تیرا بیل تیری آنکھوں کے سامنے ذبح کیا جائے گا..... بھوکا اور پیاسا اور رنگا اور سب چیزوں کا محتاج ہو کر تو اپنے ان دشمنوں کی خدمت کرے گا جن کو خداوند تیرے برخلاف بھیجے گا اور غنیم تیری گردن پر لوہے کا حواری رکھے گا جب تک وہ تیرا ناس نہ کر دے..... خداوند تجھ کو زمین کے ایک سر سے دوسرے سر سے تک تمام قوموں میں پراگندہ کر دے گا (باب ۲۸- آیات ۱۵-۲۴)

۱۳ اس جگہ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے معاملہ کی طرف یہ مختصر اشارہ کرنے سے مقصود اہل مکہ کو یہ بتانا ہے کہ اللہ جب کسی قوم پر احسان کرتا ہے اور جواب میں وہ قوم نیک حرامی اور سرکشی دکھاتی ہے تو پھر ایسی قوم کو وہ عبرتناک انجام دیکھنا پڑتا ہے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے بنی اسرائیل دیکھ رہے ہیں۔ اب کیا تم بھی خدا کی نعمت اور اس کے احسان کا جواب کفرانِ نعمت سے دے کر یہی انجام دیکھنا چاہتے ہو؟

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی جس نعمت کی قدر کرنے کا بیان قریش سے مطالبہ فرما رہا ہے وہ خصوصیت کے ساتھ اُس کی یہ نعمت ہے کہ اُس نے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے درمیان پیدا کیا اور آپ کے ذریعہ سے ان کے پاس وہ عظیم الشان تعلیم بھیجی جس کے متعلق حضور بار بار قریش سے فرمایا کرتے تھے کہ کلمۃ واحدۃ تعطونہا تملکون

مع

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ
وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا
أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكِّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ قُرَيْبٍ ۝ قَالَتْ

الثالثة

کیا تمہیں ان قوموں کے حالات نہیں پہنچے جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں، قوم نوح، عاد،
ثمود اور ان کے بعد آنے والی بہت سی قومیں جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے، ان کے رسول جب
ان کے پاس صاف صاف باتیں اور کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے منہ میں
ہاتھ دبا لیے اور کہا کہ ”جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے اور جس چیز کی تم ہمیں
دعوت دیتے ہو اس کی طرف سے ہم سخت غلجھان آمیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“ ان کے رسولوں نے

بھا العرب و تدین لکم بها العجم۔ میری ایک بات ان لوہ عرب اور عجم سب تمہارے تابع ہو جائیں گے۔“

۱۴ حضرت موسیٰ کی تقریر اور پر ختم ہو گئی۔ اب براہ راست کفار مکہ سے خطاب شروع ہوتا ہے۔

۱۵ ان الفاظ کے مفہوم میں مفسرین کے درمیان بہت کچھ اختلاف پیش آیا ہے اور مختلف لوگوں نے مختلف معنی

بیان کیے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کا قریب ترین مفہوم وہ ہے جسے ادا کرنے کے لیے ہم اردو میں کہتے ہیں کالوں پر ہاتھ رکھے،
یاد دہانی میں انگلی دبائی۔ اس لیے کہ بعد کا فقرہ صاف طور پر انکار اور اچھے، دونوں مضامین پر مشتمل ہے اور کچھ اس میں غصے
کا انداز بھی ہے۔

۱۶ یعنی ایسا شک جس کی وجہ سے اطمینانِ رخصت ہو گیا ہے۔ یہ دعوت حق کا خاصہ ہے کہ جب وہ اٹھتی ہے تو

اس کی وجہ سے ایک کھلبلی ضرور مچ جاتی ہے اور انکار و مخالفت کرنے والے بھی پورے اطمینان کے ساتھ اس کا انکار کر سکتے
ہیں نہ اس کی مخالفت۔ وہ چاہے کتنی ہی شدت کے ساتھ اُسے رو کر میں اور کتنا ہی زور اُس کی مخالفت میں لگائیں، دعوت
کی سچائی، اس کی معقول دلیل، اُس کی کھری کھری اور بے لاگ باتیں، اُس کی دل موہ لینے والی زبان، اس کے داعی کی
بے داغ سیرت، اُس پر ایمان لانے والوں کی زندگیوں کا صریح انقلاب، اور اپنے صدی مقال کے عین مطابق ان کے
پاکیزہ اعمال، یہ ساری چیزیں مل جل کر کٹے سے کٹے مخالف کے دل میں بھی ایک اضطراب پیدا کر دیتی ہیں۔ داعیانِ حق

رُسُلَهُمْ أَنِّي اللَّهُ شَيْءٌ فَأَطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى قَالُوا إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَأَتُونَا بِسُلْطَنٍ مُّبِينٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ

کہا ”کیا خدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں بلارہا ہے تاکہ تمہارے قصور معاف کرے اور تم کو ایک مدت مقرر تک مہلت دے۔“ انہوں نے جواب دیا ”تم کچھ نہیں ہو مگر ویسے ہی انسان جیسے ہم ہیں۔ تم ہمیں ان ہستیوں کی بندگی سے روکنا چاہتے ہو جن کی بندگی باپ دادا سے ہوتی چلی آ رہی ہے۔ اچھا تو لاؤ کوئی صریح ٹھنڈا۔ ان کے رسولوں نے ان کے

کو بے چین کرنے والا خود بھی چین سے محروم ہو جانا ہے۔

۱۷ رسولوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ ہر زمانے کے مشرکین خدا کی ہستی کو مانتے تھے اور یہی تسلیم کرتے تھے کہ زمین اور آسمانوں کا خالق وہی ہے۔ اسی بنیاد پر رسولوں نے فرمایا کہ آخر تمہیں شک کس چیز میں ہے؟ ہم جس چیز کی طرف تمہیں دعوت دیتے ہیں وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ اللہ فاطر السموات والارض تمہاری بندگی کا حقیقی مستحق ہے۔ پھر کیا اللہ کے بارے میں تم کو شک ہے؟

۱۸ مدت مقرر سے مراد افراد کی موت کا وقت بھی ہو سکتا ہے اور قیامت بھی۔ جہاں تک قوموں کا تعلق ہے ان کے اٹھنے اور گرنے کے لیے اللہ کے ہاں مدت کا تعین ان کے اوصاف کی شرط کے ساتھ مشروط ہوتا ہے۔ ایک اچھی قوم اگر اپنے اندر بگاڑ پیدا کر لے تو اس کی مہلت عمل گھٹادی جاتی ہے اور اسے تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ایک بگڑی ہوئی قوم اگر اپنے برے اوصاف کو اچھے اوصاف سے بدل لے تو اس کی مہلت عمل بڑھادی جاتی ہے، حتیٰ کہ وہ قیامت تک بھی دراز ہو سکتی ہے۔ اسی مضمون کی طرف سورہ رعد کی آیت نمبر ۱۱ اشارہ کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حال کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنے اوصاف کو نہ بدل دے۔

۱۹ ان کا مطلب یہ تھا کہ تم ہر حیثیت سے بالکل ہم جیسے انسان ہی نظر آتے ہو۔ کھاتے ہو، پیتے ہو، سوتے ہو، بیٹری پیچھے رکھتے ہو، بھوک، پیاس، بیماری، دکھی، سردی، گرمی، ہر چیز کے احساس میں اور ہر بشری کمزوری میں ہمارے مشابہ ہو۔ تمہارے اندر کوئی غیر معمولی پن ہمیں نظر نہیں آتا جس کی بنا پر ہم یہ مان لیں کہ تم کوئی پیچھے ہوئے لوگ ہو اور خدا تم سے

إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ
 مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ
 اللَّهِ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ
 عَلَىٰ اللَّهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا أَدٰيْتُمُونَا
 وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۲﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا
 لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَنَعُودَنَّ فِي

واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے اور یہ ہم سے اختیار میں نہیں ہے کہ تمہیں کوئی سند لادیں۔ سند تو اللہ ہی کے اذن سے آسکتی ہے اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ کریں جبکہ ہماری زندگی کی راہوں میں اس نے ہماری رہنمائی کی ہے، جو اذیتیں تم لوگ ہمیں دے رہے ہو ان پر ہم صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کا بھروسہ اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔ ع

آخر کار منکرین نے اپنے رسولوں سے کہہ دیا کہ "یا تو تمہیں ہماری ہمت میں واپس آنا ہو گا ورنہ ہم تمہیں

ہم کلام ہوتا ہے اور فرشتے تمہارے پاس آتے ہیں۔

۲۰ یعنی کوئی ایسی سند جسے ہم آنکھوں سے دیکھیں اور ہاتھوں سے چھوئیں اور جس سے ہم کو یقین آجائے کہ واقعی خدا نے تم کو بھیجا ہے اور یہ پیغام جو تم لائے ہو خدا ہی کا پیغام ہے۔

۲۱ یعنی بلاشبہ ہم ہیں تو انسان ہی، مگر اللہ نے تمہارے درمیان ہم کو ہی علم حق اور بصیرت کا عطیہ کرنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ اس میں ہمارے بس کی کوئی بات نہیں۔ یہ تو اللہ کے اختیارات کا معاملہ ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو جو کچھ چاہے دے۔ ہم نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو کچھ ہمارے پاس آیا ہے وہ تمہارے پاس بھیجا دین اور نہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ جو حقیقتیں ہم پر منکشف ہوئی ہیں ان سے آنکھیں بند کر لیں۔

۲۲ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انبیاءِ عظیم السلام منصب نبوت پر سرفراز ہونے سے پہلے اپنی گواہ قوموں

مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهَلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳﴾
 وَ لَنُسَكِّنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَلِكُمْ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي
 وَ خَافَ وَعِيدِ ﴿۱۴﴾ وَ اسْتَفْتَحُوا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿۱۵﴾
 مِّنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَ يُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿۱۶﴾ يَتَجَرَّعُهُ وَ

اپنے ملک سے نکال دیں گے۔ تب اُن کے رب نے اُن پر وحی بھیجی کہ ”ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور اُن کے بعد تمہیں زمین میں آباد کریں گے۔ یہ انعام ہے اُس کا جو میرے حضور جو اب نہی کا خوف رکھتا ہو اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔“ انہوں نے فیصلہ چاہا تھا (تویوں اُن کا فیصلہ ہوا) اور ہر جبار دشمن حق نے منہ کی کھائی۔ پھر اس کے بعد اُس کے لیے جہنم ہے۔ وہاں اُسے کچھ لہو کا سا پانی پینے کو دیا جائے گا جسے وہ زبردستی حلق سے اُتارنے کی کوشش کرے گا اور

کی قلت میں شامل ہوا کرتے تھے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نبوت سے پہلے چونکہ وہ ایک طرح کی خاموش زندگی بسر کرتے تھے، کسی دین کی تبلیغ اور کسی راجح الوقت دین کی تردید نہیں کرتے تھے، اس لیے اُن کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ وہ ہماری ہی قلت میں ہیں، اور نبوت کا کام شروع کر دینے کے بعد اُن پر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ قلت آباؤی سے نکل گئے ہیں۔ حالانکہ وہ نبوت سے پہلے بھی کبھی مشرکین کی قلت میں شامل نہ ہوئے تھے کہ اس سے خروج کا الزام اُن پر لگ سکتا۔

۲۳ یعنی گھبراؤ نہیں، یہ کہتے ہیں کہ تم اس ملک میں نہیں رہ سکتے، مگر ہم کہتے ہیں کہ اب یہ اس سرزمین میں نہ رہنے پائیں گے۔ اب تو جو تمہیں ماننے گا وہی یہاں رہے گا۔

۲۴ ملحوظ خاطر رہے کہ یہاں اس تاریخی بیان کے پیرایہ میں دراصل کفار مکہ کو اُن باتوں کا جواب دیا جا رہا ہے جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے۔ ذکر بظاہر پچھلے انبیاء اور ان کی قوموں کے واقعات کا ہے مگر چسپاں ہو رہا ہے وہ اُن حالات پر جو اس سورہ کے زمانہ نزول میں پیش آ رہے تھے۔ اس مقام پر کفار مکہ کو، بلکہ مشرکین عرب کو گویا صامت صامت منہ بند کر دیا گیا کہ تمہارا مستقبل اب اُس رویے پر منحصر ہے جو دعوتِ محمدیہ کے مقابلے میں تم اختیار کرو گے۔ اگر اسے قبول کر لو گے تو عرب کی سرزمین میں رہ سکو گے، اور اگر اسے رد کر دو گے تو یہاں سے تمہارا نام و نشان تک مٹا دیا جائے گا۔ چنانچہ اس بات کو تاریخی واقعات نے ایک ثابت شدہ حقیقت بنا دیا۔ اس پیشین گوئی پر پورے پندرہ برس بھی نہ گزرے تھے کہ سرزمین عرب میں ایک مشرک بھی باقی نہ رہا۔

لَا يَكَادُ يُبِينُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ⑭
 بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ
 لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ شَيْءٍ ⑮ ذَلِكَ هُوَ الضَّلَلُ الْبَعِيدُ ⑯
 أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّ يَئِسَ

مشکل ہی سے انار سکے گا۔ موت ہر طرف سے اس پر چھائی رہے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور آگے ایک سخت عذاب اس کی جان کا لاگو رہے گا۔

جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ہے ان کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی سی ہے جسے ایک مخلوقانی دن کی آندھی نے اڑا دیا ہو۔ وہ اپنے کیے کا کچھ بھی پھل نہ پاسکیں گے۔ یہی پرے درجے کی گم گشتگی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے آسمان و زمین کی تخلیق کو حق پر قائم کیا ہے؟ وہ چاہے تو

۱۵ یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ نیک عملی، بے وفائی، خود بخاری اور نافرمانی کی روشیں اختیار کی، اور اطاعت و بندگی کا وہ طریقہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا جس کی دعوت انبیاء علیہم السلام نے کر آئے ہیں، اُن کا پورا کارنامہ حیات اور زندگی بھر کا سارا سرمایہ عمل آخر کار ایسا لا حاصل اور بے معنی ثابت ہوگا جیسے ایک راکھ کا ڈھیر تھا جو اکٹھا ہو کر مدت دراز میں بڑا بھاری ٹیلہ سا بن گیا تھا، مگر صرف ایک ہی دن کی آندھی نے اس کو ایسا اڑا دیا کہ اُس کا ایک ایک ذرہ منتشر ہو کر رہ گیا۔ اُن کی نظر فریب تمذیب، اُن کا شاندار تمدن، اُن کی حیرت انگیز صنعتیں، اُن کی زبردست سلطنتیں، اُن کی عالیشان یونیورسٹیاں، اُن کے علوم و فنون اور ادب لطیف و کثیف کے اتھاہ ذخیرے، حتیٰ کہ اُن کی عبادتیں اور اُن کی ظاہری نیکیاں اور اُن کے بڑے بڑے خیراتی اور وفاہی کارنامے بھی جن پر وہ دنیا میں فخر کرتے ہیں، سب کے سب آخر کار راکھ کا ایک ڈھیر ہی ثابت ہوں گے جسے یوم قیامت کی آندھی بالکل صاف کر دے گی اور عالم آخرت میں اُس کا ایک ذرہ بھی اُن کے پاس اس لائق نہ رہے گا کہ اُسے خدا کی میزان میں رکھ کر کچھ بھی وزن پاسکیں۔

۱۶ یہ دلیل ہے اُس دعوے کی جو اوپر کیا گیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ اس بات کو سن کر نہیں تعجب کیوں ہوتا ہے؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ یہ زمین و آسمان کا عظیم الشان کارخانہ تخلیق حق پر قائم ہوا ہے نہ کہ باطل پر؟ یہاں جو حیرت حقیقت اور

يَذُهِبْكُمْ وَيَاتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٩﴾ وَمَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿٢٠﴾

تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی خلقت تمہاری جگہ لے آئے۔ ایسا کرنا اس پر کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔

واقعیت پر مبنی نہ ہو، بلکہ محض ایک بے اصل قیاس و گمان پر جس کی بنا رکھ دی گئی ہو، اُسے کوئی پائیداری نصیب نہیں ہو سکتی۔ اُس کے لیے قرار و ثبات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اُس کے اعتماد پر کام کرنے والا کبھی اپنے اعتماد میں کامیاب نہیں ہو سکتا جو شخص پانی پر نقش بنائے اور ریت پر قعر تعمیر کرے وہ اگر یہ امید رکھتا ہے کہ اس کا نقش باقی رہے گا اور اُس کا قعر کھڑا رہے گا تو اس کی یہ امید کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ پانی کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ وہ نقش قبول کرے اور ریت کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ وہ عمارتوں کے لیے مضبوط بنیاد بن سکے۔ لہذا سچائی اور حقیقت کو نظر انداز کر کے جو شخص باطل امیدوں پر اپنے عمل کی بنیاد رکھے اُسے ناکام ہونا ہی چاہیے۔ یہ بات اگر تمہاری سمجھ میں آتی ہے تو پھر یہ سن کر تمہیں حیرت کس لیے ہوتی ہے کہ خدا کی اس کائنات میں جو شخص اپنے آپ کو خدا کی بندگی و اطاعت سے آزاد فرم کر کے کام کرے گا یا خدا کے سوا کسی اور کی خدائی مان کر جس کی فی الواقع خدائی نہیں ہے، زندگی بسر کرے گا، اس کا پورا کارنامہ زندگی ضائع ہو جائے گا؟ جب واقعہ یہ نہیں ہے کہ انسان یہاں خود مختار ہو یا خدا کے سوا کسی اور کا بندہ ہو، تو اس جھوٹ پر، اس غلط واقعہ مفروضے پر، اپنے پورے نظام فکر و عمل کی بنیاد رکھنے والا انسان تمہاری رائے میں پانی پر نقش کھینچنے والے احمق کا سا انجام نہ دیکھے گا تو اُس کے لیے اور کس انجام کی تم توقع رکھتے ہو؟

۲۱ دعویٰ پر دلیل پیش کرنے کے بعد فوراً ہی یہ فقرہ نصیحت کے طور پر اشارہ فرمایا گیا ہے اور ساتھ ساتھ اس میں ایک مشبہہ کا ازالہ بھی ہے جو اوپر کی دو ٹوک بات سن کر آدمی کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے۔ ایک شخص پوچھ سکتا ہے کہ اگر بات وہی ہے جو ان آیتوں میں فرمائی گئی ہے تو یہاں ہر باطل پرست اور غلط کار آدمی فنا کیوں نہیں ہو جاتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نادان! کیا تو سمجھتا ہے کہ اُسے فنا کر دینا اللہ کے لیے کچھ دشوار ہے؟ یا اللہ سے اس کا کوئی رشتہ ہے کہ اس کی شرارتوں کے باوجود اللہ نے محض اقربا پروری کی بنا پر اُسے مجبوراً چھوٹ دے رکھی ہو؟ اگر یہ بات نہیں ہے، اور تو خود جانتا ہے کہ نہیں ہے، تو پھر تجھے سمجھنا چاہیے کہ ایک باطل پرست اور غلط کار قوم ہر وقت اس خطرے میں مبتلا ہے کہ اسے ہٹا دیا جائے اور کسی دوسری قوم کو اس کی جگہ کام کرنے کا موقع دے دیا جائے۔ اس خطرے کے عملاً رونما ہونے میں اگر دیر لگ رہی ہے تو اس غلط فہمی کے نشے میں مست نہ ہو جا کہ خطرہ سر سے سے موجود ہی نہیں ہے۔ مہلت کے ایک ایک لمحے کو غیبت جان اور اپنے باطل نظام فکر و عمل کی ناپائیداری کو محسوس کر کے اسے جلدی سے جلدی پائیدار بنیادوں پر قائم کرے۔

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعْفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُ عَنَّا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ۝ وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ

اور یہ لوگ جب اکٹھے اللہ کے سامنے بے نقاب ہوں گے تو اس وقت ان میں سے جو دنیا میں کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بنے ہوئے تھے، کہیں گے ”دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے، اب کیا تم اللہ کے عذاب سے ہم کو بچانے کے لیے بھی کچھ کر سکتے ہو؟“ وہ جواب دیں گے ”اگر اللہ نے ہمیں نجات کی کوئی راہ دکھائی ہوتی تو ہم ضرور تمہیں بھی دکھا دیتے۔ اب تو یکساں ہے، خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر، بہر حال ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔“

اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی

۲۲۸ روز کے معنی محض نکل کر سامنے آنے اور پیش ہونے ہی کے نہیں ہیں بلکہ اس میں ظاہر ہونے اور کھل جانے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ اسی لیے ہم نے اس کا ترجمہ بے نقاب ہو کر سامنے آجانا کیا ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے تو بندے ہر وقت اپنے رب کے سامنے بے نقاب ہیں۔ مگر آخرت کی پیشی کے دن جب وہ سب کے سب اللہ کی عدالت میں حاضر ہوں گے تو انہیں خود بھی معلوم ہو گا کہ ہم اس احکم الحاکمین اور مالک الیوم الدین کے سامنے بالکل بے نقاب ہیں، ہمارا کوئی کام بلکہ کوئی خیال اور دل کے گوشوں میں چھپا ہوا کوئی ارادہ تک اس سے مخفی نہیں ہے۔

۲۲۹ نتیجہ ہے ان سب لوگوں کے لیے جو دنیا میں آنکھیں بند کر کے دوسروں کے پیچھے چلتے ہیں، یا اپنی کمزوری کو محبت بنا کر طاقت و ظالموں کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ آج جو تمہارے لیڈر اور پیشوا اور افسر اور حاکم بنے ہوئے ہیں، کل ان میں سے کوئی بھی تمہیں عذاب سے ذرہ برابر بھی نہ بچا سکے گا۔ لہذا آج ہی سوچ لو کہ تم جس کے پیچھے چل رہے ہو یا جس کا حکم مان رہے ہو وہ خود کہاں جا رہا ہے اور تمہیں کہاں پہنچا کر چھوڑے گا۔

لِي عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا اَنْ دَعَوْتُمْ فَاَسْتَجِبْتُمْ لِيْ
فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ مَا اَنَا بِمُصْرِحِكُمْ وَمَا اَنْتُمْ
بِمُصْرِخِيْ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَا اَشْرَكْتُمْ مِّنْ قَبْلُ

زور تو تھا نہیں، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لپیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمہاری فریاد سنی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔ اس سے پہلے جو تم نے مجھے خدائی میں شریک بنا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ

۱۲ یعنی تمہارے تمام گلے شکوے اس حد تک تو بالکل صحیح ہیں کہ اللہ سچا تھا اور میں جھوٹا تھا۔ اس واقعہ سے مجھے ہرگز انکار نہیں ہے۔ اللہ کے وعدے اور اس کی وعیدیں تم دیکھ ہی رہے ہو کہ ان میں سے ہر بات جوں کی توں سچی نکلی۔ اور میں خود ماننا ہوں کہ جو بھروسے میں نے تمہیں دلائے، جن فائدوں کے لالچ تمہیں دیے، جن خوشنما توقعات کے جال میں تم کو پھانسا، اور سب سے بڑھ کر یہ یقین جو تمہیں دلایا کہ اول تو آخرت و آخرت کچھ بھی نہیں ہے، سب محض ڈھکوسلا ہے، اور اگر ہوئی بھی تو غلام حضرت کے تصدق سے تم صاف بچ نکلو گے، پس اُن کی خدمت میں نذر و نیاز کی رشوت پیش کرتے رہو اور پھر جو چاہو کرتے پھرو، نجات کا ذمہ اُن کا، یہ ساری باتیں جو میں تم سے کہتا رہا اور اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سے کہلاتا رہا، یہ سب محض دھوکا تھا۔

۱۳ یعنی اگر آپ حضرات ایسا کوئی ثبوت کہتے ہوں کہ آپ خود راہ راست پر چلنا چاہتے تھے اور میں نے زبردستی آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو غلط راستے پر بھیج لیا، تو ضروراً سے پیش فرمائیے، جو چور کی سزا سو میری۔ لیکن آپ خود مابین گئے کہ واقعہ یہ نہیں ہے۔ میں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا کہ دعوت حق کے مقابلہ میں اپنی دعوت باطل آپ کے سامنے پیش کی، سچائی کے مقابلہ میں جھوٹ کی طرف آپ کو بلایا، نیکی کے مقابلہ میں بدی کی طرف آپ کو پکارا۔ ماننے اور نہ ماننے کے جملہ اختیارات آپ ہی حضرات کو حاصل تھے۔ میرے پاس آپ کو مجبور کرنے کی کوئی طاقت نہ تھی۔ اب اپنی اس دعوت کا ذمہ دار تو بلاشبہ میں خود ہوں اور اس کی سزا بھی پا رہا ہوں۔ مگر آپ نے جو اس پر لپیک کہا اس کی ذمہ داری آپ مجھ پر کہاں ڈالنے چاہیے اپنے غلط انتخاب اور اپنے اختیار کے غلط استعمال کی ذمہ داری تو آپ کو خود ہی اٹھانی چاہیے۔

۱۴ یہاں پھر شرک اعتقادی کے مقابلہ میں شرک کی ایک مستقل نوع، یعنی شرک عملی کے وجود کا ایک ثبوت ملتا ہے۔ ظاہرات ہے کہ شیطان کو اعتقادی حیثیت سے تو کوئی بھی نہ خدائی میں شریک ٹھہراتا ہے اور نہ اس کی پرستش کرتا ہے۔ سب اُس پرست ہی بھیجتے ہیں۔ البتہ اس کی اطاعت اور غلامی اور اُس کے طریقے کی اندھی یا آنکھوں دیکھے پر دی ضرور کی جا رہی ہے،

إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ يُحَيِّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ

ہوں، ایسے ظالموں کے لیے تو دردناک سزا یقینی ہے۔“

بخلاف اس کے جو لوگ دنیا میں ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں وہ ایسے باغوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ وہاں وہ اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کا استقبال سلامتی کی مبارکباد سے ہوگا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے

اور اسی کو یہاں شرک کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ممکن ہے کوئی صاحب جواب میں فرمائیں کہ یہ تو شیطان کا قول ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایا ہے۔ لیکن ہم عرض کریں گے کہ اول تو اس کے قول کی اللہ تعالیٰ خود تردید فرمادیتا اگر وہ غلط ہوتا دوسرے شرک عملی کا صرف یہی ایک ثبوت قرآن میں نہیں ہے بلکہ اس کے متعدد ثبوت کچھلی سورتوں میں گزر چکے ہیں اور آگے آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ الزام کہ وہ اپنے آسمان اور زمین کو رب بنا لیں (التوبہ۔ آیت ۱۷) جاہلیت کی رسمیں ایجاد کرنے والوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان کے پیروں نے انہیں خدا کا شریک بنا رکھا ہے (الانعام آیت ۱۶) خواہشات نفس کی بندگی کرنے والوں کے متعلق یہ فرمانا کہ انہوں نے اپنی خواہشات نفس کو خدا بنا لیا ہے (الفرقان آیت ۲۳)۔ نافرمان بندوں کے متعلق یہ ارشاد کہ وہ شیطان کی عبادت کرتے رہے ہیں (یس۔ آیت ۶۰)۔ انسانی ساخت کے تو امین پر پلٹنے والوں کو ان الفاظ میں ملامت کہ اذن خداوندی کے بغیر جن لوگوں نے تمہارے لیے شریعت بنائی ہے وہ تمہارے ”شریک“ ہیں (الشوری۔ آیت ۲۱)۔ یہ سب کیا اسی شرک عملی کی نظیریں نہیں ہیں جس کا بیان ذکر ہو رہا ہے ۱۹ ان نظیروں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شرک کی صورت یہی ایک صورت نہیں ہے کہ کوئی شخص عقیدہ کسی غیر اللہ کو خدائی میں شریک ٹھہرائے۔ اس کی ایک دوسری صورت یہ بھی ہے کہ وہ خدائی سند کے بغیر یا احکام خداوندی کے علی الرغم، اُس کی بیروی اور اطاعت کرتا چلا جائے۔ ایسا بیرو اور مطیع اگر اپنے پیشوا اور مطاع پر لعنت بھیجتے ہوئے بھی عملیہ روش اختیار کر رہا ہو تو قرآن کی رو سے وہ اُس کو خدائی میں شریک بنا لے ہوئے ہے، چاہے شرعاً اُس کا حکم بالکل وہی نہ ہو جو اعتقادی مشرکین کا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سورۃ انعام حاشیہ نمبر ۸۸ و نمبر ۸۹ الکف حاشیہ ۵۰)

۳۳ نتیجہ کے لغوی معنی ہیں دعائے درازی عمر۔ مگر اصطلاحاً عربی زبان میں یہ لفظ اس کے بغیر مقدم یا کلمہ استقبال کے لیے بولا جاتا ہے جو لوگ آمنا سامنا ہونے پر سب سے پہلے ایک دوسرے سے کہتے ہیں۔ اُردو میں اس کا ہم معنی لفظ

مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۳۳﴾ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۴﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ

کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھی ذات کا درخت جس کی جڑ زمین میں گہری جڑی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں، ہر آن وہ اپنے رب کے حکم سے اپنے پھل دے رہا ہے۔ یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں۔ اور کلمہ خبیثہ کی مثال

یا زورہ سلام ہے، یا پھر علیک سلیم۔ لیکن پہلا لفظ استعمال کرنے سے ترجمہ ٹھیک نہیں ہوتا، اور دوسرا لفظ مبتدل ہے، اس لیے ہم نے اس کا ترجمہ "استقبال" کیا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے استقبال کا طریقہ ہوگا، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ان کا اس طرح استقبال ہوگا۔ نیز سلام میں دعا کے سلامتی کا مفہوم بھی ہے اور سلامتی کی مبارکباد کا بھی ہم نے موقع کی مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے وہ مفہوم اختیار کیا ہے جو ترجمہ میں درج ہے۔

۳۴ کلمہ طیبہ کے لفظی معنی زورہ پاکیزہ بات، کے ہیں، مگر اس سے مراد ہے وہ قول حق اور عقیدہ صالحہ جو ہر امر حقیقت اور راستی پر مبنی ہو، یہ قول اور عقیدہ قرآن مجید کی رُو سے لازماً وہی ہو سکتا ہے جس میں توحید کا اقرار، انبیاء اور کتب آسمانی کا اقرار اور آخرت کا اقرار ہو، کیونکہ قرآن انہی امور کو بنیادی صداقتوں کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

۳۵ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین سے لے کر آسمان تک چونکہ سارا نظام کائنات اسی حقیقت پر مبنی ہے جس کا اقرار ایک مومن اپنے کلمہ طیبہ میں کرتا ہے، اس لیے کسی گوشے میں بھی قانونِ فطرت اس سے نہیں ٹکراتا، کسی شے کی بھی اصل اور حقیقت اُس سے ابا نہیں کرتی، کہیں کوئی حقیقت اور صداقت اُس سے متصادم نہیں ہوتی۔ اسی لیے زمین اور اُس کا پورا نظام اُس سے تعاون کرتا ہے، اور آسمان اور اُس کا پورا عالم اُس کا خیر مقدم کرتا ہے۔

۳۶ یعنی وہ ایسا بار آور اور نتیجہ خیز کلمہ ہے کہ جو شخص یا قوم اسے بنیاد بنا کر اپنی زندگی کا نظام اس پر تعمیر کرے، اُس کو ہر آن اس کے مفید نتائج حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ وہ فکر میں سلجھاؤ، طبیعت میں سلامت، مزاج میں اعتدال، سیرت میں مضبوطی، اخلاق میں پاکیزگی، روح میں لطافت، جسم میں طہارت و نظافت، بزناؤ میں خوشگوار، معاملات میں راست بازی، کلام میں صداقت شعاری، قول و قرار میں پختگی، معاشرت میں حسن سلوک، تہذیب میں فضیلت، تمدن میں توازن، حیثیت میں عدل و مساوات، سیاست میں دیانت، جنگ میں شرافت، صلح میں خلوص اور عمدہ بیان میں دلوق پیدا کرتا ہے۔

كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۳۶﴾

ایک بد ذات درخت کی سی ہے جو زمین کی سطح سے اٹھاڑ پھینکا جاتا ہے، اُس کے لیے کوئی استحکام نہیں ہے۔

وہ ایک ایسا پارس ہے جس کی تاثیر اگر کوئی ٹھیک ٹھیک قبول کر لے تو کندن بن جائے۔

۳۷ یہ لفظ کلمہ طیبہ کی ضد ہے جس کا اطلاق اگرچہ بر خلاف حقیقت اور مبنی بر غلط قول پر ہو سکتا ہے، مگر یہاں اُس سے مراد ہر وہ باطل عقیدہ ہے جس کو انسان اپنے نظام زندگی کی بنیاد بنائے، عام اس سے کہ وہ دہریت ہو، الحاد و زندقہ ہو، شرک دہریت پرستی ہو، یا کوئی اور ایسا تجل جو انبیاء کے واسطے سے نہ آیا ہو۔

۳۸ دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہو کہ عقیدہ باطل چونکہ حقیقت کے خلاف ہے اس لیے قانونی نظرت کہیں بھی اُس سے موافقت نہیں کرتا۔ کائنات کا ہر ذرہ اُس کی تکذیب کرتا ہے زمین و آسمان کی ہر شے اس کی تردید کرتی ہے زمین میں اُس کا بیج بونے کی کوشش کی جائے تو ہر وقت وہ اُسے اُگلنے کے لیے تیار رہتی ہے۔ آسمان کی طرف اس کی شاخیں بڑھنا چاہیں تو وہ انہیں نیچے دھکیلتا ہے۔ انسان کو اگر امتحان کی خاطر انتخاب کی آزادی اور عمل کی مہلت ددی گئی ہوتی تو یہ بد ذات درخت کہیں اُگنے ہی نہ پاتا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو اپنے رجحان کے مطابق کام کرنے کا موقع عطا کیا ہے، اس لیے جو نادان لوگ قانونِ نظرت سے بڑھ کر یہ درخت لگانے کی کوشش کرتے ہیں، اُن کے زور مارنے سے زمین اُسے نفوٹری بہت جگہ دے دیتی ہے، ہوا اور پانی سے کچھ نہ کچھ غذا بھی اُسے مل جاتی ہے، اور فضا بھی اس کی شاخوں کو پھیلنے کے لیے باول ناخواستہ کچھ موقع دیتے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن جب تک یہ درخت قائم رہتا ہے کڑوسے، کیلے، زہریلے پھل دیتا رہتا ہے، اور حالات کے بدلتے ہی حوادث کا ایک جھٹکا اس کو جڑ سے اٹھاڑ پھینکتا ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمات خبیثہ کے اس فرق کو ہر وہ شخص باسانی محسوس کر سکتا ہے جو دنیا کی مذہبی، اخلاقی، فکری اور فتنہ کی تاریخ کا مطالعہ کرے۔ وہ دیکھے گا کہ آغاز تاریخ سے آج تک کلمہ طیبہ تو ایک ہی رہا ہے، مگر کلمات خبیثہ بے شمار پیدا ہو چکے ہیں۔ کلمہ طیبہ کبھی جڑ سے نہ اٹھاڑا جاسکا، مگر کلمات خبیثہ کی فہرست ہزاروں مردہ کلمات کے ناموں سے بھری پڑی ہے، حتیٰ کہ اُن میں سے بہنوں کا حال یہ ہے کہ آج تاریخ کے صفحات کے سوا کہیں اُن کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا۔ اپنے زمانے میں جن کلمات کا بڑا زور شور رہا ہے آج اُن کا ذکر کیا جائے تو لوگ حیران رہ جائیں گے کہ کبھی انسان ایسی ایسی جانفروں کا بھی قائل رہ چکا ہے۔

پھر کلمہ طیبہ کو جب، جہاں، جس شخص یا قوم نے بھی صحیح معنوں میں اپنا یا اُس کی خوشبو سے اُس کا ماحول معطر ہو گیا اور اُس کی برکتوں سے صرف اُس شخص یا قوم نے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اُس کے گرد و پیش کی دنیا بھی اُن سے، الامال ہو گئی۔ مگر کسی کلمہ خبیثہ نے جہاں جس انفرادی یا اجتماعی زندگی میں بھی جڑ پکڑی اُس کی سڑاند سے سارا ماحول متعفن ہو گیا۔ اور اُس کے کانٹوں کی چھین سے نہ اس کا ماننے والا امن میں رہا، نہ کوئی ایسا شخص جس کو اُس سے سابقہ پیش آیا ہو۔

يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي
الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۝۴

ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کی بنیاد پر دنیا اور آخرت دونوں میں ثابت عطا کرتا ہے اور ظالموں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے۔ اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ ع

اس سلسلہ میں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ یہاں تمثیل کے پیرایہ میں اسی مضمون کو سمجھایا گیا ہے جو اوپر آیت ۱۸ میں یوں بیان ہوا تھا کہ "اپنے رب سے کفر کرنے والوں کے اعمال کی مثال اُس راکھ کی سی ہے جسے ایک طوفانِ دن کی آمد ہی سے اڑا دیا ہو" اور یہی مضمون اس سے پہلے سورہ رعد آیت ۷۰ میں ایک دوسرے انداز سے سیلاب اور پگھلائی ہوئی وحالتوں کی تمثیل میں بیان ہو چکا ہے۔

۳۹ یعنی دنیا میں اُن کو اس کلمہ کی وجہ سے ایک پائدار نقطہ نظر ایک مستحکم نظام فکر اور ایک جامع نظریہ ملتا ہے جو ہر عقدے کو حل کرنے اور ہر گتھی کو سلجھانے کے لیے شاہ کلید کا حکم رکھتا ہے۔ سیرت کی مضبوطی اور اخلاق کی استواری نصیب ہوتی ہے جسے زمانہ کی گرد و شبیں متزلزل نہیں کر سکتیں۔ زندگی کے ایسے ٹھوس اصول ملتے ہیں جو ایک طرف اُن کے قلب کو سکون اور دماغ کو اطمینان بخشتے ہیں اور دوسری طرف انہیں سعی و عمل کی راہوں میں بٹھکنے، ٹھوکریں کھانے اور تلون کا شکار ہونے سے بچاتے ہیں۔ پھر جب وہ موت کی سرحد پار کر کے عالم آخرت کے حدود میں قدم رکھتے ہیں تو وہاں کسی قسم کی حیرانی اور سراسیمگی و پریشانی اُن کو لاحق نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہاں سب کچھ ان کی توقعات کے عین مطابق ہوتا ہے۔ وہ اُس عالم میں اس طرح داخل ہوتے ہیں گویا اُس کی راہ درسم سے پہلے ہی واقف تھے۔ وہاں کوئی مرحلہ ایسا پیش نہیں آتا جس کی اُنہیں پہلے خبر نہ دے دی گئی ہو اور جس کے لیے انہوں نے قبل از وقت تیاری نہ کر رکھی ہو۔ اس لیے وہاں ہر منزل سے وہ پوری ثابت قدمی کے ساتھ گزرتے ہیں۔ ان کا حال وہاں اُس کافر سے بالکل مختلف ہوتا ہے جسے مرتے ہی اپنی توقعات کے سراسر خلاف ایک دوسری ہی صورت حال سے اچانک سابقہ پیش آتا ہے۔

۴۰ یعنی جو ظالم کلمہ طیبہ کو چھوڑ کر کسی کلمہ خبیثہ کی پیروی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ذہن کو پراگندہ اور اُن کی مساعی کو پریشان کر دیتا ہے۔ وہ کسی پہلو سے بھی فکر و عمل کی صحیح راہ نہیں پا سکتے۔ ان کا کوئی تیر بھی نشانہ پر نہیں بیٹھتا۔

الْمُتَرَاتِلِ الَّذِينَ بَدَلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ
 الْبَوَارِ ۗ جَهَنَّمَ يَصَلُّونَهَا وَيُبْسُ الْقَرَارَ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ اِنْدَادًا
 لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِهِ ۗ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِن مَّصِيرِكُمْ إِلَى النَّارِ ۗ
 قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
 سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَالَ ۗ
 اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

تم نے دیکھا ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی نعمت پائی اور اسے کفرانِ نعمت سے بدل ڈالا اور
 (اپنے ساتھ) اپنی قوم کو بھی ہلاکت کے گھر میں جھونک دیا۔ یعنی جہنم جس میں وہ بٹھلے جائیں گے اور
 وہ بدترین جانے قرار ہے۔ اور اللہ کے کچھ عہسہ تجویز کر لیتے تاکہ وہ انہیں اللہ کے راستے سے
 بھٹکادیں۔ ان سے کہو! اچھا مزے کرو، آخر کار تمہیں پلٹ کر جانا دوزخ ہی میں ہے۔

اے نبی! میرے جو بندے ایمان لائے ہیں ان سے کہدو کہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا،
 اس میں سے کھلے اور چھپے (راہِ خیر میں) خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خریدو نہ فروخت
 ہوگی اور نہ دوست نوازی ہو سکے گی۔

اللہ وہی توستہ جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور آسمان سے پانی برسایا، پھر

۲۸۱ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کی روش کفار کی روش سے مختلف ہونی چاہیے۔ وہ تو کافر نعمت میں نہیں
 شکر گزار بننا چاہیے اور اس شکر گزاری کی عملی صورت یہ ہے کہ نماز قائم کریں اور خدا کی راہ میں اپنے مال خرچ کریں۔

۲۸۲ یعنی نہ تو وہاں کچھ دے دلا کر ہی نجات خریدی جاسکے گی اور نہ کسی کی دوستی کام آئے گی کہ وہ تمہیں خدا
 کی پلٹ سے بچائے۔

۲۸۳ یعنی وہ اللہ جس کی نعمت کا کفران کیا جا رہا ہے، جس کی بندگی و اطاعت سے منہ موڑا جا رہا ہے، جس کے ساتھ

فَاخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفَلَكَ لِتَجْرِيَ
 فِي الْبَحْرِ بِأَهْرَةٍ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ۚ (۳۱) وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ
 الْقَمَرَ دَائِبِينَ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا
 سَأَلْتُمُوهُ وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ
 لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ۚ (۳۲) وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَ

اس کے ذریعہ سے تمہاری رزق رسانی کے لیے طرح طرح کے پھل پیدا کیے جس نے کشتی کو تمہارے لیے
 مسخر کیا کہ سمندر میں اُس کے حکم سے چلے اور دریاؤں کو تمہارے لیے مسخر کیا جس نے سورج اور چاند کو
 تمہارے لیے مسخر کیا کہ لگاتار چلے جا رہے ہیں اور اات اور دن کو تمہارے لیے مسخر کیا جس نے وہ سب کچھ
 تمہیں دیا جو تم نے مانگا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو کہہ نہیں سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان
 بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔ ع

یاد کرو وہ وقت جب ابراہیمؑ نے دعا کی تھی کہ ”پروردگارا، اس شہر کو امن کا شہر بنا اور

زبردستی کے شریک ٹھیرائے جا رہے ہیں، وہ وہی تو ہے جس کے یہ اور یہ احسانات ہیں۔

۳۱۔ تمہارے لیے مسخر کیا“ کو عام طور پر لوگ غلطی سے ”تمہارے تابع کر دیا“ کے معنی میں لے لیتے ہیں، اور
 پھر اس مضمون کی آیات سے عجیب عجیب معنی پیدا کرنے لگتے ہیں۔ جتنی کہ بعض لوگ تو یہاں تک کچھ بیٹھے کہ ان آیات کی رو سے
 تسخیر سلطوات وارض انسان کا منتہائے مقصود ہے۔ حالانکہ انسان کے لیے ان چیزوں کو مسخر کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ
 نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے قوانین کا پابند بنا رکھا ہے جن کی بدولت وہ انسان کے لیے نافع ہو گئی ہیں۔ کشتی اگر فطرت
 کے چند مخصوص قوانین کا پابند نہ ہوتی تو انسان کبھی بحری سفر نہ کر سکتا۔ دریا اگر مخصوص قوانین میں جکڑے ہوئے نہ ہوتے تو کبھی
 اُن سے نہوس نہ نکال جاسکتیں۔ سورج اور چاند اور روز و شب اگر ضابطوں میں کسے ہوئے نہ ہوتے تو یہاں زندگی ہی ممکن
 نہ ہوتی کجا کہ ایک جیلنا پھرتا انسانی تمدن وجود میں آسکتا۔

۳۲۔ یعنی تمہاری فطرت کی ہر مانگ پوری کی، تمہاری زندگی کے لیے جو کچھ مطلوب تھا مہیا کیا، تمہارے

بقا اور ارتقاء کے لیے جن جن وسائل کی ضرورت تھی سب فراہم کر دیے۔

اجْنِبْنِي وَبَنِيَّ اَنْ تَعْبُدُوا الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ رَبِّ اِنَّهُمْ اضْلَلْنِي
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِ فَاِنَّهٗ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي
فَاِنَّكَ عَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۶﴾ رَبَّنَا اِنِّي اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ

مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے (ممكن ہے کہ میری اولاد کو بھی یہ گمراہ کر دیں لہذا ان میں سے جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔ پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں

۵۴۶ عام احسانات کا ذکر کرنے کے بعد اب ان خاص احسانات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قریش پر کیے تھے اور اس کے ساتھ یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے باپ ابراہیم نے یہاں لاکر کن تناؤں کے ساتھ تمہیں بسایا تھا، اُس کی دعاؤں کے جواب میں کیسے کیسے احسانات ہم نے تم پر کیے اور اب تم اپنے باپ کی تناؤں اور اپنے رب کے احسانات کا جواب کن گمراہیوں اور بد اعمالیوں سے دے رہے ہو۔

۵۴۷ یعنی مکہ۔

۵۴۸ یعنی خدا سے پھیر کر اپنا گرویدہ کیا ہے۔ یہ مجازی کلام ہے۔ بت چونکہ بتوں کی گمراہی کے سبب بنے ہیں اس لیے گمراہ کرنے کے فعل کو ان کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

۵۴۹ یہ حضرت ابراہیم کی کمال درجہ نرم دلی اور نوع انسانی کے حال پر ان کی انتہائی شفقت ہے کہ وہ کسی حال میں بھی انسان کو خدا کے عذاب میں گرفتار ہوتے نہیں دیکھ سکتے بلکہ آخر وقت تک عفو و درگزر کی التجا کرتے رہتے ہیں۔ سرزق کے معاملہ میں تو انہوں نے یہاں تک کہہ دینے میں دریغ نہ فرمایا کہ وَادُّنْقِ اَهْلَكَ مِنْ التَّمَاٰتِ مَنْ اَمِنَ مِنْهُ صِرًا نَّهْرًا وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (البقرہ - آیت ۱۲۶)۔ لیکن جہاں آخرت کی کپڑے کا سوال آیا وہاں ان کی زبان سے یہ نہ نکلا کہ جو میرے طریقے کے خلاف چلے اُسے سزا دے ڈالیو، بلکہ کہتا رہا کہ اُن کے معاملہ میں کیا عرض کروں، تو عفو و رحیم ہے۔ اور یہ کچھ اپنی ہی اولاد کے ساتھ اس سزا پر رحم و شفقت انسان کا مخصوص رویہ نہیں ہے، بلکہ جب فرشتے قوم لوط جیسی بدکار قوم کو تباہ کرنے جا رہے تھے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ بڑی محبت کے انداز میں فرماتا ہے کہ "ابراہیم ہم سے جھگڑنے لگا" (ہود آیت ۷۴)۔ یہی حال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے رو در رو عیسائیتوں کی گمراہی ثابت کر دیتا ہے تو وہ عرض کرتے ہیں کہ "اگر حضور ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر معاف کر دیں تو آپ بالادست اور حکیم ہیں" (الاحقاف آیت ۱۱۸)۔

غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ
فَأَجْعَلْ آفِيْدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ
الشَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعَلِّمُ
وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۳۶﴾ الْحَمْدُ
لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ
الدُّعَاءِ ﴿۳۷﴾ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا

اپنی اولاد کے ایک سوتے کو تیرے محترم گھر کے پاس لایا ہے۔ پروردگار، یہ میں نے اس لیے کیا ہے
کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں، لہذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انہیں کھانے کو پھیل دے،
شاید کہ یہ شکر گزار بنیں۔ پروردگار، تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔ اور
واقعی اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمانوں میں۔ ”شکر ہے اُس خدا کا جس نے
مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیے، حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور عاقل ہے۔
اسے میرے پروردگار، مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد سے بھی (ایسے لوگ اٹھا جو یہ کام کریں)۔

۳۵ یہ اسی دعا کی برکت ہے کہ پہلے سارا عرب مکہ کی طرف حج اور عمرے کے لیے کھج کر آتا تھا، اور
اب دنیا بھر کے لوگ کھج کر وہاں جاتے ہیں۔ پھر یہ بھی اسی دعا کی برکت ہے کہ ہر زمانے میں ہر طرح کے پھل،
غلے، اور دوسرے سامان رزق وہاں پہنچتے رہتے ہیں، حالانکہ اس وادی غیر ذری زرع میں جانوروں کے لیے چارہ
نک پیدا نہیں ہوتا۔

۳۶ یعنی خدایا جو کچھ میں زبان سے کہہ رہا ہوں وہ بھی تو سُن رہا ہے اور جو جذبات میرے دل میں چھپے ہوئے
ہیں اُن سے بھی تو واقف ہے۔

۳۷ یہ جملہ معترفہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے قول کی تصدیق میں فرمایا ہے۔

وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۳۰ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۳۱ وَلَا تَحْسِبَنَّ اللَّهُ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۳۲ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفِئَتُهُمْ هَوَاءٌ ۳۳ وَانذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۱ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۲ أَوْلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُم مِّنْ زَوَالٍ ۳

پروردگار! میری دعا قبول کر۔ پروردگار، مجھے اور میرے والدین کو اور سب ایمان لانے والوں کو اُس دن معاف کر دیجیو جبکہ حساب قائم ہو گا۔

اب یہ ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ کو تم اس سے غافل نہ سمجھو۔ اللہ تو انہیں ٹال رہا ہے اُس دن کے لیے جب حال یہ ہو گا کہ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ہیں، سر اٹھائے بھاگے چلے جا رہے ہیں نظر میں اوپر جمی ہیں اور دل اُڑے جاتے ہیں۔ اے محمد! اُس دن سے تم انہیں ڈراؤ جبکہ عذاب انہیں آ لے گا۔ اُس وقت یہ ظالم کہیں گے کہ ”اے ہمارے رب، ہمیں تھوڑی سی مُہلت اور دے دے ہم تیری دعوت کو لبیک کہیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔“ (مگر انہیں صاف جواب دے دیا جائے گا کہ) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم پر تو کبھی زوال آنا ہی نہیں ہے؟

۵۳ حضرت ابراہیم نے اس دعائے مغفرت میں اپنے باپ کو اُس وعدے کی بنا پر شریک کر لیا تھا جو انہوں نے وطن سے نکلنے وقت کیا تھا کہ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي (مریم - آیت ۴۷)۔ مگر بعد میں جب انہیں احساس ہوا کہ وہ تو اللہ کا دشمن تھا تو انہوں نے اُس سے صاف تیری فرمادی۔ (التوبہ - آیت ۱۱۴)۔

۵۴ یعنی قیامت کا جو ہر ناکِ نظر اُن کے سامنے ہو گا اُس کو اس طرح کنگلی لگائے دیکھ رہے ہوں گے گویا کہ

وَسَكَنْتُمْ فِي مَسْكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ
 فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ﴿۳۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَ
 عِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۳۶﴾
 فَلَا تُحْسِبَنَّ اللَّهُ فَخْلَفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿۳۷﴾
 يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ

حالات کہ تم ان قوموں کی بستیوں میں رہ بس چکے تھے جنہوں نے اپنے اوپر آپ ظلم کیا تھا اور دیکھ چکے
 تھے کہ ہم نے ان سے کیا سلوک کیا اور ان کی مثالیں دے دے کر ہم تمہیں سمجھا بھی چکے تھے۔ انہوں نے
 اپنی ساری ہی چالیں چل دیکھیں، مگر ان کی ہر چال کا توڑ اللہ کے پاس تھا اگرچہ ان کی چالیں ایسی غضب
 کی تھیں کہ پہاڑ ان سے ٹل جائیں۔

پس اے نبی! تم ہرگز یہ گمان نہ کرو کہ اللہ کبھی اپنے رسولوں سے کیے ہوئے وعدوں کے خلاف
 کرے گا۔ اللہ زبردست ہے اور انتقام لینے والا ہے۔ ڈراؤ نہیں اُس دن سے جبکہ زمین اور آسمان
 بدل کر کچھ سے کچھ کر دیے جائیں گے اور سب کے سب اللہ واحد قہنار کے سامنے بے نقاب

ان کے دیدے پتھر گئے ہیں، نہ پلک جھپکے گی، نہ نظر بٹے گی۔

۵۵۵ یعنی تم یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ تمہاری پیش رو قوموں نے قوانین الہی کی خلاف ورزی کے نتائج سے بچنے اور
 انبیاء کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے کیسی کیسی زبردست چالیں چلیں، اور یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اللہ کی ایک ہی چال سے
 وہ کس طرح مات کھا گئے۔ مگر پھر بھی تم حق کے خلاف چال بازیوں کرنے سے باز نہ آئے اور یہی بھٹتے رہے کہ تمہاری چالیں
 ضرور کامیاب ہوں گی۔

۵۵۶ اس جملے میں کلام کا رخ بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، مگر دراصل سنا ناپ کے مخالفین
 کو مقصود ہے۔ انہیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ نے پہلے بھی اپنے رسولوں سے جو وعدے کیے تھے وہ پورے کیے اور
 ان کے مخالفین کو نیچا دکھایا، اور اب بھی جو وعدہ وہ اپنے رسول، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رہا ہے اسے پورا کرے گا
 اور ان لوگوں کو تہمتیں نہس کر دے گا جو اُس کی مخالفت کر رہے ہیں۔

الْقَهَّارِ ۳۸) وَ تَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقْرَنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۳۹)
 سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطَرِ آبٍ وَ تَغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ ۴۰) لِيَجْزِيَ
 اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۴۱)

حاضر ہو جائیں گے۔ اس روز تم مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں ہاتھ پاؤں جکڑے ہونگے
 تارکول کے باس پہنے ہوئے ہوں گے اور آگ کے شعلے ان کے چہروں پر چھائے جا رہے
 ہوں گے۔ یہ اس لیے ہو گا کہ اللہ ہر متنفس کو اس کے کیے کا بدلہ دے گا۔ اللہ کو حساب لینے
 کچھ دیر نہیں لگتی۔

۴۰ اس آیت سے اور قرآن کے دوسرے اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں زمین و آسمان بالکل
 نیست و نابود نہیں ہو جائیں گے بلکہ صرف موجودہ نظام طبیعی کو درہم برہم کر ڈالا جائے گا۔ اس کے بعد نفع صور اقل اور نفع صور
 آخر کے درمیان ایک خاص مدت میں جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے زمین اور آسمانوں کی موجودہ ہیئت بدل دی جائے گی
 اور ایک دوسرا نظام طبیعت، دوسرے قوانین فطرت کے ساتھ بنادیا جائے گا۔ وہی عالم آخرت ہو گا۔ پھر نفع صور آخر کے ساتھ
 ہی تمام وہ انسان جو تخلیق آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے تھے، از سر نو زندہ کیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور
 پیش ہوں گے۔ ساسی کا نام قرآن کی زبان میں شتر ہے جس کے لغوی معنی سیٹھنے اور اکٹھا کرنے کے ہیں۔ قرآن کے اشارات
 اور حدیث کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ شتر اسی زمین پر رہا ہو گا، یہیں عدالت قائم ہوگی، یہیں میزان لگائی جائے گی
 اور فطیئہ زمین پر سرزمین ہی پیکایا جائے گا۔ نیز یہ بھی قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ ہماری وہ دوسری زندگی جس میں یہ معاملات
 پیش آئیں گے، محض روحانی نہیں ہوگی بلکہ ٹھیک اسی طرح جسم و روح کے ساتھ ہم زندہ کیے جائیں گے جس طرح آج زندہ ہیں، اور
 ہر شخص ٹھیک اسی شخصیت کے ساتھ وہاں موجود ہوگا جسے یہ ہونے وہ دنیا سے رخصت ہوا تھا۔

۴۱ بعض مترجمین و مفسرین نے قَطَرِ آبِ کے معنی گندھک اور بعض نے لکھے ہوئے تانبے کے بیان کیے ہیں،
 مگر درحقیقت طرزی میں قَطَرِ آبِ کا لفظ زلفت، تیر، رال، اور تارکول کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

هَذَا بَلَعُوا لَيْتَا سِوَايَهُمَا وَ لِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ
وَاحِدٌ وَ لِيَذُكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لیے اور یہ بھی آیا ہے اس لیے کہ ان کو اس کے
ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے
ہیں وہ ہمیشہ میں آجائیں۔

